نہیں ہے مگر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ سادگی کا یہ انداز ان کی خصوصیاتِ شعری کی نشاندہی کرتا ہے:

تمہارے وعدۂ فردا کا اعتبار تو ہے
مگر حیاتِ دو روزہ کا اعتبار نہیں

اخترِ صبح، کیا کہوں اپنے وطن کا ماجرا
شمعِ خلوص بجھ گئی، بزمِ وفا بکھر گئی

ختم ہوئی شبِ نشاط، بجھ گئی شمعِ آرزو
ٹھیر تو جا دلِ حزیں، دیکھ تو صبح ہو چلی

محاوروں کی بھی دو تین مثالیں ملاحظہ ہوں:

کب تک میں نا خدا کے سہارے جیا کروں
پانی تو اے خدا مرے سر سے گذر گیا

واصفِ زار کو کبھی آیا نہ راس یہ چمن
چرخِ ستم ظریف نے چھاتی پہ مونگ ہی دلی

تنکے کا بھی سہارا دل کو نہیں گوارا
گو زندگی کی کشتی گرداب میں پھنسی ہے

مولانا واصف کی شاعری کے کئی پہلو میں نے دانستہ نظر انداز کر دیے ہیں ورنہ ان کا احاطہ کرنا میرے لیے دشوار ہو جاتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انھوں نے اپنے علوم و فنون کی حدیں مقرر کر دی ہیں۔ انھوں نے عشقیہ تقاضوں اور اخلاقی معیاروں میں ایک مفاہمت پیدا کر لی ہے۔ ان متضاد کیفیتوں میں آپس میں ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ ان کی ادبی حیثیت، شاعرانہ مرتبہ اور مذہبی تقدس ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ حلیف بن کر سامنے آتے ہیں۔

عربی تنقید نگاری
تاریخ، اصول و مسائل

(۲)

جناب محمد سمیع اختر فلاحی ایم اے ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

عہد جاہلیت کے تنقیدی نمونے :

اگر یہ نظریہ درست ہے کہ بغیر اعلیٰ تنقیدی شعور کے کوئی اعلیٰ ادبی شاہکار وجود میں نہیں آسکتا تو پھر اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ عربوں کے اندر دور جاہلیت سے ہی تنقیدی شعور موجود تھا ورنہ جاہلی شعراء ایسی ادبی تخلیقات پیش کرنے سے قاصر رہتے۔ جاہلی دور میں تنقید کے جو نمونے ملتے ہیں وہ ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ ان کے درمیان مختلف موقعوں پہ منعقد ہونے والی ادبی مجلسیں اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ ان کے درمیان نقد و نقادی کا رواج موجود تھا۔ ان مجلسوں میں شعراء شریک ہوتے۔ اپنے اشعار پڑھتے، وہاں ایسے سخن شناس اور تنقیدی شعور رکھنے والے حضرات بھی موجود ہوتے جن کی اشعار کے محاسن و معائب پر گہری نظر ہوتی، وہ اس مجلس میں پڑھے گئے اشعار کے بارے میں اپنی رائے

دیتے۔ وہاں جن اشعار کو پسند کیا جاتا وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتے۔ عرب کے میلوں اور خصوصاً سوق عکاظ کی ادبی مجلسوں کے متعلق جو روایتیں ملتی ہیں وہ ان کی شعر شناسی و سخن سنجی کا ثبوت ہیں۔

عکاظ طائف اور نخلہ کے درمیان ایک صحرا تھا جہاں حج کے موقعہ پر عرب جایا کرتے تھے۔ ذی قعدہ کی پہلی تاریخ سے ۲۰ تاریخ تک وہاں میلا لگا کرتا تھا۔ یہاں منعقد ہونے والی ادبی محفلیں تاریخ نقد میں کافی مشہور رہیں۔ یہاں مختلف علاقوں کے شعراء اور مختلف خطوں کے مقررین جمع ہوتے اور اپنی خطابت و شاعری کے اعلیٰ نمونے پیش کرتے، ان ادبی مجلسوں میں عرب کی بزرگ، تجربہ کار اور اعلیٰ ادبی ذوق رکھنے والی ہستیوں کو حکم مقرر کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ مختلف شعراء کے درمیان کسی شاعر کو سب سے افضل قرار دیتے۔ ہر قبیلے کی یہ خواہش ہوتی کہ اس کے شاعر کو افضل قرار دیا جائے کیونکہ جس شاعر کو یہ لوگ بہتر گردانتے وہ بہت جلد ہی پوری عرب دنیا میں مشہور ہو جاتا جس قصیدے کو منتخب کر لیا جاتا اسے آبِ زر سے لکھوا کر خانہ کعبہ پر آویزاں کر دیا جاتا۔ مشہور معلقات کی شہرت بھی اسی طرح ہوئی۔ عکاظ کی ادبی مجلسوں میں جن کے نام بطور حکم ملتے ہیں ان میں مشہور جاہلی شاعر نابغہ ذبیانی بھی ہے۔ اشعار کی قدر و قیمت کے تعین کے سلسلے میں اس کی رائے شعراء کے نزدیک قابل قبول ہوتی تھی۔ نو مشق شعراء اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اشعار سناتے اور اصلاح لیا کرتے تھے۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی تنقید کی تاریخ بہت پرانی ہے:

"زبرقان بن بدر، عمرو بن الاہتم، عبدۃ بن الطیب اور مخبل سعدی چاروں ربیعہ بن حذار اسدی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے اشعار کے سلسلے میں دریافت کیا کہ ان میں سب سے بڑا شاعر کون

[illegible]

طرح کا سوال بھیڑ تو وہ ایسے گرم گوشت کی طرح ہے جو تپتا ہوا بچھا ہوا ہے کہ اسے کھایا جائے اور وہ بھی اتنا کچا ہے کہ کوئی دوسرا اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ عروہ! رہے تمہارے اشعار تو وہ اس منقش چادر کی طرح ہیں جو نگاہوں کو تو خیرہ کرتی ہے مگر جب بھی انسان اس کی طرف دیکھنے کی کوشش کرتا ہے اس کی نگاہیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ اے مخبل! تمہارے اشعار ان دونوں کے مقابلے میں کمتر درجے کے ہیں جب کہ دوسروں کے مقابلے میں بہتر ہیں۔ اے عبدۃ! رہا تمہارا معاملہ تو تمہارے اشعار اس چادر کی مانند ہیں جس کی سوئیں باہم دیگر اس طرح پیوست ہیں کہ اس سے کوئی قطرہ نہیں ٹپک سکتا۔"[5]

حسان بن ثابتؓ نے بازار عکاظ میں یہ شعر پڑھا:

لنا الجفنات الغر یلمعن بالضحیٰ
واسیافنا یقطرن من نجدۃ دما

(ہمارے لئے سارے روشن لگن (خوان کرم) ہیں جو دھوپ میں چمکتے ہیں یعنی ہم سخی ہیں، اور ہمارے پاس ایسی تلواریں ہیں کہ شجاعت کی وجہ سے ان کے منہ سے خون ٹپکتا ہے یعنی ہم بہادر ہیں۔)

کہا جاتا ہے کہ سوق عکاظ میں جب نابغہ ذبیانی نے یہ شعر سنا تو حسب ذیل تنقید کی:

۱۔ اگر حسان "غر" کے بجائے "بیض" استعمال کرتا تو اچھا ہوتا کیونکہ غرہ اس معمولی سفیدی یا سفیدی کے اس چھوٹے حصے کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے رنگ کے درمیان واقع ہو اگر "بیض" استعمال کرتا تو غرہ کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہوتا۔

۲۔ اسی طرح حسان "یلمعن بالضحیٰ" کے بجائے "یلمعن بالدجیٰ" کہتے تو زیادہ اچھا ہوتا کیونکہ دن میں چمکنا کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ چمک حقیقت میں تاریکی کے اندر ہی نمایاں ہوتی ہے۔

۳۔ اسی طرح "یقطرن" کے بجائے "یجرین" کہتے تو زیادہ مبالغہ ہوتا کیونکہ جری، یجری کے معنی بہنے کے ہیں۔ ٹپکنے اور بہنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ان اعتراضات کے جواب میں مندرجہ ذیل باتیں کہی گئیں:

۱۔ "غر" سے مراد شاعر نے لگن کی چمک نہیں بلکہ خوان کرم کا خلق میں مشہور و معروف ہونا مراد لیا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے "یوم اغر" اور "ید اغر" ان دونوں جگہوں پر "اغر" کے معنی حقیقۃً چمک نہیں بلکہ مشہور و معروف کے ہیں۔

۲۔ "ضحیٰ" کے بجائے "دجیٰ" کا استعمال درست نہیں ہے کیونکہ دن میں وہی چیز چمکتی ہے جو زیادہ روشن و درخشاں ہو۔ اس کے برخلاف رات میں خفیف چمک والی چیز بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔

۳۔ تیسرا اعتراض عربی محاورے اور روزمرہ کے استعمال کے خلاف ہے۔ عرب کسی بہادر کی تعریف کے موقع پر "سیفہ یقطر دما" بولتے ہیں۔ اگر شاعر "سیفہ یجری دما" کہتا ہے تو یہ قیاس کے خلاف ہے۔[9]

نابغہ زبیانی کے لئے بازار عکاظ میں سرخ رنگ کا خیمہ نصب کیا جاتا۔ شعراء اس کے حضور میں آکر اپنے اشعار سناتے۔ وہ اشعار سننے کے بعد ان پر گراں قدر تنقید کیا کرتا۔ ایک بار مشہور شاعر اعشٰی نے نابغہ کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا۔ اس کے بعد حسان بن ثابت نے کچھ اشعار پیش کئے تو نابغہ نے کہا کہ اگر آپ سے قبل اعشٰی نے کچھ اشعار نہ سنائے ہوتے تو میں آپ کو انس و جن دونوں مخلوقات میں سب سے بڑا شاعر تسلیم کر لیتا۔ حضرت حسان نے کہا، خدا کی قسم میں تم سے، تمہارے باپ

سے اور تمھارے دادا سے بھی بڑا شاعر ہوں۔ نابغہ نے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: میرے عزیز تم اس پر قدرت نہیں رکھتے کہ ایسا شعر کہو:

فانک کاللیل الذی ھو مدرکی وان خلت ان المنتای عنک واسع[۱]

(تو اس رات کی مانند ہے جو آنے والی ہے اگرچہ تو خیال کرے کہ فاصلہ دراز ہے)

یہ اور اس طرح کے دوسرے بہت سارے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر جاہلی میں عربی تنقید کے رجحانات موجود تھے۔ اگرچہ یہ نظریات ذاتی اقوال انفرادی پسندیدگی اور سطحی افکار پر مشتمل تھے۔ ان کے پاس متعین تنقیدی پیمانے نہ تھے۔ جاہلی دور میں شعراء کی صفات سے ان کے نام رکھے جاتے تھے۔ یہ چیز بھی ان کے تنقیدی شعور کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ مہلہل بن ربیعہ کا نام مہلہل اس لئے پڑا کیونکہ "ہلہلۃ" کے لفظی معنی کپڑے کو باریک بننے کے آتے ہیں۔ یعنی اس کی شاعری بہت دقیق تھی۔ مہلہل پہلا شاعر ہے جس نے شعر میں لطافت پیدا کی اور اسے غریب نامانوس الفاظ سے پاک کیا ہے[۱]

اس طرح کعب غنوی کو عربوں نے کعب الامثال کہا ہے اس لئے کہ انھوں نے اپنے اشعار میں ضرب الامثال کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ طفیل غنوی کو طفیل الخیل اس لئے کہا گیا کہ اس کے کلام میں گھوڑے کی تعریف کثرت سے ملتی ہے۔ امرؤ القیس بڑا رند اور شاہزادہ تھا اور شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اسے الملک الضلیل بہت بڑا گمراہ بادشاہ کا خطاب دیا گیا[۲]

زہیر بن ابی سلمی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ قصیدہ کہنے کے بعد فوراً نہیں سنا دیا کرتا تھا بلکہ کافی عرصے تک بسا اوقات تو پورے سال تک اس کی تراش خراش اور تنقیح و اصلاح کرتا رہتا تھا اور ہر طرح سے نوک پلک

درست کرنے کے بعد اسے عوام کے سامنے پیش کرتا تھا۔ اس لئے اس کے قصائد کو "حولیات" بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ قصائد جن کی اصلاح و درستگی میں پورا سال صرف ہوا ہو۔[۱۳] اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا تنقیدی شعور پختہ تھا کہ وہ کلام کے محاسن و معائب کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔

ایک مرتبہ امرؤ القیس اور علقمہ بن عبدہ میں مقابلہ ہوا کہ دونوں میں کون بڑا شاعر ہے۔ دونوں کو بڑائی کا دعویٰ تھا۔ علقمہ نے کہا چلو تمہاری بیوی جندب کو حکم بناتے ہیں اور وہ جو فیصلہ کرے اس کو ہم دونوں مان لیں۔ ام جندب نے کہا کہ تم دونوں ایک ہی قافیہ اور ایک ہی ردیف میں قصیدہ کہو۔ اور اس میں گھوڑے کی صفات بیان کرو۔ دونوں کے اشعار سننے کے بعد ام جندب نے فیصلہ دیا کہ علقمہ امرؤ القیس سے بڑا شاعر ہے۔ امرؤ القیس نے طیش میں آکر پوچھا کہ اس ترجیح کی وجہ کیا ہے اس کی بیوی نے جواب دیا کہ تم نے کہا ہے کہ کوڑے مار کر اور ڈانٹ کر گھوڑے کو میں نے قابو میں کیا اور علقمہ کا گھوڑا بغیر ڈانٹے ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ یہ سن کر امرؤ القیس نے کہا کہ علقمہ مجھ سے بڑا شاعر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تم ضرور اس پر پہلے سے عاشق رہی ہوگی چنانچہ اس نے جندب کو طلاق دے دی اور علقمہ نے اس سے شادی کر لی۔[۱۴]

اس دور میں عربوں کا تنقیدی شعور اتنا ترقی کر چکا تھا کہ وہ الفاظ کے معانی اور ان کے مواقع استعمال کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور الفاظ کے غلط استعمال کو پکڑ لیتے تھے۔ مشہور شاعر طرفہ نے مسیب بن علس کا ایک شعر سنا جس کے اندر اونٹ کی صفت بیان کرتے ہوئے "صعیریہ" کا لفظ استعمال کیا گیا تھا جو اونٹنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ طرفہ نے یہ سن کر کہا کہ مسیب نے اونٹ کو اونٹنی بنا دیا ہے۔[۱۵]

عہد جاہلیت میں عرب بحور و قوافی کے صحیح استعمال سے بھی واقف تھے۔ مشہور